وفا کا جزیرہ

سعدیہ عابد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سعدیہ عابد

افسانہ

وفا کا جزیرہ

''تُو مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے؟'' وہ اونچے پتھر پر زمانے کا خوف و ہراس بھلائے بیٹھی تھی، ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کی مانند خاموشی کا راج تھا کہ وہ بولتے کم ہی تھے، وہ جو محویت سے اُس کو تک رہا تھا، اُس کی جھرنوں سی آواز پر چونکا اور مسکرا کر بولا۔

''نہیں جانتا، مجھے خود نہیں پتہ کہ میں تجھ سے اتنی محبت کیوں کرتا ہوں'' ۔ وہ اتنی محبت پر زور دے کر بولا تھا اور وہ اس کو تکنے لگی، وہ بہت خاص تھا، اور اُسے تو بہت ہی زیادہ خاص لگا۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ تُو جانتا ہی نہیں ہے کہ مجھ سے کیوں محبت کرتا ہے'' ۔ اُس کا جواب زرمینے کو پسند نہیں آیا تھا۔

''تُو مجھ سے کیوں محبت کرتی ہے؟'' اُلٹا سوال کر ڈالا۔

''کیونکہ تُو ہے ہی محبت کے لائق'' ۔ ترنت بولی تھی اور وہ اس کو دیکھنے لگا، جس کی گندمی رنگت دہک رہی تھی اور آنکھوں میں اُترتا خمار، جذبات و محبت کی منہ زور لہر، اس نے نگاہ چرائی کہ اس کی کانچ سی آنکھوں میں وہ دیکھنے سے گریز ہی کرتا، کہ ان کانچ سی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں لہراتا اُس کا عکس اُسے اتنا سُندر لگتا کہ بہکنے کو دل کرنے لگا، اتنا خاص، اتنا خوبصورت تو اُسے کبھی آئینے نے بھی نہیں بتایا، یہ اُس کا اپنا ذاتی خیال تھا، وگرنہ تو وہ گاؤں کا سب سے سوہنا منڈا تھا، جتنا اُس کی آنکھیں بتاتی تھیں اور اُس نے بے ساختہ ہی شعر پڑھا۔

اُس کی آنکھوں نے ابتداء کی تھی
میری دیوانگی جو ایسی ہے!

اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ جانے کو اُٹھ گئی کہ وہ خاموش اسی لیے رہتی کہ اس کا گھمبیر لہجہ اُس کا سکون لے اُڑتا، دھڑکنوں میں تلاطم بپا کر دیتا، پلکیں لرزنے لگتیں، پیشانی عرق آلود اور ہتھیلیاں پسیجنے لگتیں کہ وہ چھوٹی موٹی سی لڑکی کبھی اُس کی آواز سے تو کبھی اس کے لہجے سے پگھلنے لگتی، اور کبھی جو ترنگ میں آ کر یا بے اختیاری میں وہ اُسے چھو بیٹھتا تو ریڑھ کی ہڈی تک سنسنی دوڑ جاتی، جیسے ابھی اس کو جانے سے روکنے کے لیے وہ بے اختیار سا اُس کی سبز چوڑیوں سے سجی نازک گندمی بانہہ تھام گیا، وہ دھک سے رہ گئی، دل دیوار دل توڑنے کو مچلنے لگا اور وہ کپکپاتے لہجے میں اتنا ہی بول پائی۔

''تُو چاہتا ہے میں زندہ رہنا چھوڑ دوں تو صاف کہہ، یوں نہ مجھے آزمایا کر'' ۔ وہ اُس کی حالت سے محظوظ ہوتا آج شرارت پر آمادہ ہو گیا اور وہ اُس کی سبز چوڑیوں کو انگلی کی مدد سے حرکت دینے لگا۔ اُس نے ایک خفا آبی نگاہ اُس پر ڈالی اور وہ اُس کا ہاتھ آزاد کر گیا۔

''آزمائش تو میری تُو بنی رہتی ہے، نہیں پسند تو ہاتھ چھڑا لیا کرناں، یوں نظروں کے وار تو نہ چلایا کر'' ۔

''تجھ سے ہاتھ چھڑا کر میں نے کہاں جانا ہے؟ تُو ہی یہ سب نہ کیا کر جس میں تیری اور میری آزمائش چھپی ہو کہ تُو



جانتا ہے کہ میں کبھی تجھ سے خفا ہو سکتی ہوں۔ تیری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی اور میں تو تیری نگاہ سے پگھلنے لگتی ہوں، تُو کہاں اپنے ہاتھوں کو زحمت دیتا ہے کہ تیری نگاہ وہ جگائے رکھتی ہے تو تیرا لمس ہونے نہیں دیتا۔" وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی پھر اس کو ایک نظر دیکھ کر نگاہ جھکا گئی کہ نظر بھر کر تو وہ اُسے کبھی دیکھتی ہی نہیں تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں اُسے اس کی نظر نہ لگ جائے۔

"سونے تو مجھے تُو بھی نہیں دیتی، تُو نے مجھے کسی کام کا رہنے ہی کب دیا۔ مجھے تو اپنی سانسوں سے تیری مہک آنے لگتی ہے۔ اور اس ہاتھ اور انگلیوں پر ٹھہرا تیرا لمس، یہ کسی دوسری شے کو چھونے نہیں دیتا۔" وہ محض ایک نگاہ اس پر ڈال کر رخ اپنا نہر کی طرف موڑ گیا۔ اور ان کے درمیان ہمیشہ کی محسوس ہونے والی خاموشی چھا گئی کہ بولتے تو بولتے جاتے، خاموش ہوتے تو اس خاموشی میں جذبے بولتے۔ کبھی نظر بھر کر دیکھنا تو کبھی ایک نگاہ۔ اور اسی آنکھ مچولی میں اُن کی ملاقات گزر جاتی۔ اور یہ آج کی نہیں گیارہ برس پرانی روشن تھی، جب وہ محض گیارہ برس کی ہوا کرتی تھی۔ اور وہ سترہ برس کا، وہ ان دنوں چھٹیاں گزارنے آیا ہوا تھا اور اُسے پہلی دفعہ اپنے باغ میں دیکھا تھا۔ وہ اُچھل اُچھل کر آم توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گرمی اور دھوپ سے اس کی گندمی رنگت سیاہی مائل ہو رہی تھی۔ وہ اُس باغ کا مالک تھا۔ اُس کو آم توڑتے دیکھا تو ڈپٹ کر اُس نے نگاہ اُٹھائی تھی اور بختاور اُس کی کانچ سی آنکھوں کی آنچ دیکھ کر گھائل ہو گیا تھا۔ کم عمری میں دل پر واردات گزری تھی۔ رات بھر سو نہ سکا۔ جھیل سی آنکھیں سونے کی راہ میں رکاوٹ بنی رہیں اور دوسرے ہی دن اُس سے ملاقات کی۔ اور وہ بھی کہاں اس کی نگاہ بھولی تھی کہ اتنی گہری نظر کے دل کے آر پار ہو گئی تھی۔ اور وہ دونوں پتہ بھی نہ چلا، اُس عمر میں جب محبت کے لفظوں سے نا آشنا تھے، اُس کے مسافر بن گئے۔ وہ گاؤں کی جٹی، کسانوں کی بیٹی۔ جس نے محض 5 جماعتیں پڑھی تھیں۔ اور وہ گاؤں کے مالک کا اکلوتا وارث۔ وہ اُس کی نگینہ کے عشق میں ایسا گرفتار ہوا کہ اس کی صورت آنکھوں سے لمحے کو بھی اوجھل نہ ہوتی۔

گوروں کے دیس میں بھی وہ کم رو گندمی رنگت کی زرمینے اُسے یاد رہی۔ محبت کی ننھی کونپل ساتھ لے گیا اور 5 سال بعد اُسے یادوں کی آنچ سے کلی بنا لایا اور اُس کی سنگت میں وہ مکمل اُٹھی، کہ وہ عام سی شکل و صورت کی لڑکی جس کی آنکھیں بولنے کے فن سے ماہر تھیں، اُس نے بختاور ملک کو دیکھنے کے بعد کبھی کسی کو نہیں دیکھا، اُس کی آواز ایسے کانوں میں بسی کہ دوسری ہر آواز پر وہ بہری بن گئی اور جب اس نے چھوا تو یہ حق صرف اُسی کو تفویض کر دیا کہ وہ اپنا سب کچھ بختاور ملک کو مان چکی تھی، اُسی کے لیے ہنستی، اُسی کے لیے روتی، اس کے لیے ہی بجتی سنورتی، اس کے لیے ہی اصول بناتی، اس کے لیے توڑتی، اسی کے لیے جیتی، دونوں محبت سے عشق کا سفر کر رہے تھے، اور سفر میں ہر دوسری چیز بے معنی ہو جاتی ہے، کبھی بولنا بے معنی، کبھی خاموشی بے معنی، ان دونوں کی محبتوں کا امین وقت رہا کہ ایک دوسرے سے ملنے کے بعد یار دوست کی کمی کبھی نہ کھلی، تصورِ جاناں ہی زندگی ہے۔

"بتا ناں، تُو مجھ سے کیوں محبت کرتا ہے؟" آج جیسے وہ ضد پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کس نے کہا میں تجھ سے محبت کرتا ہوں؟" وہ اُس کو ستانے کو بولا تھا۔

"تیری آنکھوں نے، جب سے تیری آنکھوں میں اپنا آپ دیکھا ہے، خود کو بختاور سمجھنے لگی ہوں، اور جانتی ہوں تُو مجھ سے محبت نہیں کرتا، عشق کرتا ہے، جیسے میں تجھ سے عشق کرتی ہوں، کیوں کا جواب نہ پا سکی تو تجھ سے سوال کیا کہ میں جاہل گنوار، کیا جانوں ان باتوں کو، شاید تُو میری اُلجھن دور کر دے، مگر اس سوال کا جواب تو تیرے پاس بھی نہیں ہے اور مجھے یقین آ گیا کہ تُو اور میں الگ الگ نہیں ہیں، اور جس سوال کا جواب تیرے پاس نہیں تھا اُس کا جواب میرے پاس کہاں سے ہوتا؟" وہ اُس کے گورے گورے پیروں پر نگاہ جمائے گویا فلسفہ بول رہی تھی۔

"کچھ سوالوں کے جواب کوئی نہیں دے سکتا، اور جن سوالوں کے جواب ازل سے نہ مل سکے، ان میں اپنا سر مت کھپایا کر۔" دھیمے سے اُسے ڈپٹا تھا۔

"جو حکم سائیں!" لمحے کی تاخیر کے بغیر سر تسلیم خم کردیا تھا۔

"چل اُٹھ گھر جا، اندھیرا ہونے کو ہے"۔ آسمان پر نگاہ کی تھی اور سورج کے ڈوبنے کی تیاری دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا، اُس نے تقلید کی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو نہ تو کہتے ہی نہیں تھے۔

"تو میرے پیروں کو.....!" وہ کہنے لگا تھا کہ۔

"مجھے اچھا لگتا ہے"۔ اس نے یہ کہہ کر اُس کی بات ہی ختم کردی اور وہ اس کی گندمی رنگت والے چہرے کو تا دیر دیکھتا رہا۔

"کیوں، میرے پیروں میں ایسا کیا ہے جو تمہیں انہیں دیکھنا اور دیکھتے رہنا اچھا لگتا ہے؟"

"میری تقدیر کا کچھ حصہ تیرے پیروں پر لکھا ہے، یہ اس لیے میری اور آنا بھول گئے تو میری تقدیر مجھ سے روٹھ.....!"

"یقین رکھنا ایسا کبھی نہیں ہوگا، ملک بختاور کی تقدیر میں خدا نے تیری محبت رکھی ہے، تو تیرا ساتھ بھی لکھا ہوگا، ملک بختاور کا ہر راستہ صرف تجھ سے شروع ہوکر تجھ پر ہی ختم ہوتا ہے"۔ ہوا سے اُڑتے اس کے سرگیں آنچل کو دیکھتے ہوئے بولا تھا، وہ مسکرائی تو اُس کی قاتل نگاہیں بھی مسکرا اُٹھیں، اور مبہوت ہوگیا کہ اُس کی نگاہ سے ہی تو دل کی کہانی نے آغاز پکڑا تھا، خیر وہ تو اُسے دنیا کی سب سے حسین متاعِ حیات لگتی تھی، جبکہ اُس کی آنکھوں کے علاوہ صرف اُس کا دل خوبصورت تھا، وگرنہ وہ سانولے رنگ کی عام سے نقوش کی لڑکی تھی، جبکہ وہ خوبصورتی و حسن سے مالا مال کہ وہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھا، گاؤں کی اُن لڑکیوں کے دل میں بھی بسا تھا جو جانتی تھیں کہ وہ اُن کا نصیب بن ہی نہیں سکتا، اور ان لڑکیوں کے دل میں بھی بسا رہا جن سے دورانِ تعلیم ملنا ہوا، مگر جب سے زرمینے کو دیکھا، اس کے بعد کسی کو دیکھ کر بھی نہیں دیکھا۔

"زرمینے کے لیے بھی اوّل و آخر تو ہی ہے"۔ وہ کہہ کر ٹھہری نہیں تھی اور وہ دھان پان سی زرمینے کو جب تک وہ نظر آتی رہی دیکھتا رہا، آسمان پر ایک نگاہ ڈالی، نگاہوں ہی نگاہوں میں التجا کی اور نیچے دیکھنے لگا کہ وہ آسمان کی وسعت دیکھنے کے بعد زمین کی گہرائی ضرور دیکھتا تھا کہ زرمینے اُسے آسمان اور خود کو زمین کہتی تھی، اور وہ اُس کو آسمان اور خود کو زمین، بات کچھ بھی ہو دونوں سے گہرا تعلق جڑ گیا تھا، زمین کو دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ ٹوٹی سبز چوڑی پر پڑی، جسے اُس نے جھک کر اُٹھایا اور ایک احساس کے علاوہ جیتی جاگتی اُس کی نشانی وہ پہلی دفعہ اپنے سنگ لے گیا۔

☆.............☆.............☆

"میں تجھے کب روک رہی ہوں، کرلے نا شادی"۔

ان دونوں کی محبت زبانِ زدِ عام ہوگئی تھی کہ ملک صاحب اس سارے قصے کو وقتی جوانی کا جوش سمجھ رہے تھے، مگر جب بیٹے نے خاندانی منگ کی بجائے اس سے شادی کی بات کی تو اُن کی برداشت جواب دے گئی اور اُنہوں نے بیٹے کو سخت سنائیں، اُسے ڈٹے دیکھ کر زرمینے کو گاؤں بھر میں بدنام کردیا کہ وہ ملکوں کے پُتر پر ڈورے ڈال رہی ہے، گاؤں والے بے خبر تو پہلے بھی نہ تھے، اور صرف ملک بختاور کے ڈر سے تماشہ دیکھ رہے تھے اور اب ملک مسرور کے تماشے میں اُس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے، زرمینے کی ماں اُسے بہت سمجھا چکی تھی، مگر عشق کب کسی کے سمجھائے سمجھا ہے، باپ کو مرے تو برس ہوگئے تھے، پانی سر سے اونچا ہوا تو اُس نے بیٹی کو گھر بٹھا دیا، ملک بختاور نے 3 دن تو ندی کے پاس مقررہ وقت تک انتظار کیا اور چوتھے دن وہ گاؤں کے مالکوں کا اکلوتا وارث کمیوں کے گھر آ گیا، وہ اُس کو دیکھ کر حیران نہ ہوئی تھی اور وہ آنے کا سبب دریافت کرنے پر ماں کا حکم سنا گئی تھی، اُس نے گزرے واقعے اور اُس کے نتائج پر شرمندگی ظاہر کر کے باپ سے ہوئی بات بتادی تھی، اور وہ قابلِ اطمینان لہجے میں اس کو شادی کرلینے کا کہتی اُس کے غصے کو آواز دے گئی۔

"اوہ.....چُپ کر جا، زیادہ بکواس کی نا تو جان سے مار دوں گا"۔ بُرے لہجے میں پہلی دفعہ مخاطب ہوا تھا۔

"تو غصہ کیوں ہوتا ہے، ایسا غلط کیا کہا میں نے؟ شادی کرلے بس یہی تو....."

"غلط نہیں کہا تُو نے، اتنا ہی صحیح بول رہی ہے تو تُو خود کیوں نہیں کر لیتی شادی؟" اس کی نگاہوں میں غصے کی تپش تھی۔

"مجھ میں اور تیرے میں بڑا فرق ہے، تُو کر سکتا ہے، میں نہیں کر سکتی"۔ اُس کے آنسو بے بسی سے گرنے لگے۔

"کیا فرق ہے تجھ میں اور مجھ میں؟" اس کی آبی پلکیں اُس کو دھیما پڑنے پر مجبور کر گئیں۔

"بہت بڑا فرق ہے، تُو مرد ہے، 4 کر سکتا ہے، اور میں ایک دفعہ جس کی ہو گئی تو ہو گئی، اور میں تجھے دنیا میں کھونے کا حوصلہ کر سکتی ہوں، آخرت میں نہیں، تُو شادی کر لے کہ تُو ایسا کرے گا تب بھی میں تیری ہی رہوں گی، مگر میں نے شادی کر لی، میرے نام کے ساتھ دوسرا نام جڑ گیا تو ازل سے ابد تک تیری نہ ہو سکوں گی، اور کیا تُو ایسا چاہے گا کہ تُو مجھے کھو دے؟" اس نے جام سے لہجے میں بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بہت بڑی بات کہی تھی۔

"نہیں، مگر میں تجھے اپنی خوشیاں داؤ پر لگانے نہیں دوں گا، دنیا کچھ کہے، کوئی مانے نہ مانے، مگر میں تجھ سے ہی بیاہ کروں گا، تب تو تجھے اعتراض نہ ہوگا؟" اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اٹل لہجے میں بولا تھا۔

"تُو کیوں نہیں سمجھ رہا، میری خوشی تیری خوشی ہے، تُو کہیں بھی کسی کے بھی ساتھ رہے، خوش رہے گا، تو میں خوش رہوں گی کہ تُو محض دنیا دکھاوے کو مجھ سے دور ہوگا، ہمیں ملنا ہے اور ہم ملیں گے، یہاں نہیں وہاں سہی، تُو دنیا کے بکھیڑوں میں مت پڑ، اور تُو مجھے اب انکار نہیں کرے گا، جا شادی کر اور خوش رہ، اپنے نہیں میرے لیے، اور میں گیارہ برس سے تیرے احساس سے زندہ و خوش رہی، آگے کی زندگی بھی تیرے احساس کے ساتھ بسر کر لوں گی، میں تیری تھی، تیری ہی رہوں گی"۔ وہ مطمئن سی مسکرا دی، اُس کا تیاگ بہت بڑا تھا، مگر کہنے یا انکار کرنے یا تیاگ نہ دینے کی بات کرنے کی اُس کے پاس گنجائش نہیں تھی۔

"لیکن آج تجھ سے کچھ مانگوں گی تو دے گا مجھے؟" وہ جی جان سے راضی تھا کہ اس کو انکار کب کر پایا تھا، اور اس سے بات کرنے کے بعد ہی وہ شادی کے لیے راضی ہوا تھا، ورنہ باپ کے جان لے لینے کی دھمکی پر بھی مدھم نہیں پڑا تھا، اور نہ ہی ایک انچ اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار بیٹے کے تیور دیکھ کر ملک سرور نے زرمینے کی ماں کو بلا کر اس کی جان کی دھمکی دے کر کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی کہیں شادی کر دے اور زرمینے کو سمجھائے، تاکہ وہ ملک بختاور کو شادی کے لیے راضی کرے، وگرنہ وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔

"تجھ پر تو ملک بختاور کی ہر خوشی، زندگی قربان ہے"۔

"تیری خوشی میں خوش رہوں گی، اور تُو نے بھی میری خوشیوں کی حفاظت کرنی ہے، تیری اُداسی مجھے چین نہ لینے دے گی"۔

"اور مجھے تیرا خالی پن خوش نہیں ہونے دے گا، تُو تنہا زندگی گزارے اور میں اپنا گھر بسا لوں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا زرمینے!" وہ اونچا جوان مرد اُسے گلے لگا کر رو پڑا۔

"اللہ کی رضا میں راضی ہونا سیکھ بختاور! ہمارا ساتھ ہوتا تو کیسے بھی ہم ایک ہو جاتے، اپنے طور میں نے فیصلہ لیا ہے، لیکن کیا پتہ کب ہمت ٹوٹ جائے، تُو شادی کر لے، میری ہمت ٹوٹ گئی تو میں بھی کر لوں گی شادی، مگر ابھی مجھے کچھ وقت دیدے"۔ اُس نے زرمینے کی آنکھوں میں دیکھا اور دیکھتا رہا، یہاں تک کہ اس کے دیکھنے پر پلک نہ جھپکنے والی یکدم نگاہ چرا گئی۔

"تیری آنکھوں میں صاف لکھا ہے کہ تیری ہمت کبھی نہیں ٹوٹے گی، چاہے سانسوں کی ڈور ٹوٹ جائے، اور جب تُو تنہا زندگی گزار سکتی ہے تو میں کیوں نہیں زرمینے! مجھے آزمائش میں مت ڈال"۔

"میں کون ہوتی ہوں تجھے آزمائش میں ڈالنے والی، تجھے شادی کر لینے کو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اللہ کی یہی مرضی ہے، اور میری شادی کو بھی تُو اللہ کی رضا پر چھوڑ دے، محبت کی تجھ سے، تجھے اپنا مانا، مگر ہوا وہی نا جو اللہ کی رضا ہے، آگے بھی وہی ہوگا جو اللہ کی رضا ہوگی، ہم بندے تو صرف ارادہ کر سکتے ہیں، شادی کا ارادہ کیا، اب شادی نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، پہلا ارادہ ٹوٹا، ضروری نہیں کہ دوسرا بھی ٹوٹے، گر ٹوٹ گیا تو

شرمندگی تو نہ ہوگی خود سے، اپنی محبت سے کہ محبت کی آزمائش پر کھری نہ اُتری"۔

"تو ہر بات خود سے منسوب کیوں کیے جا رہی ہے؟"

"میری اُمید نہیں ٹوٹی، اللہ پر بھروسہ ہے مجھے، اس لیے تجھ سے کہہ رہی ہوں جا کر شادی کر لے، اللہ نے چاہا تو میں تیری دوسری، تیسری، چوتھی بیوی بن جاؤں گی، تُو بس سب اللہ پر چھوڑ دے، گیارہ برس محبت کی، کبھی یہ خیال بھی تجھے نہ گزرا کہ میں تیری نہ ہو سکوں گی، تو گیارہ برس وہموں کی ڈگر پر چلے بغیر گزار سکتا ہے تو آنے والے چند برس کیوں نہیں؟ اور میں تو چاہتی بھی نہیں کہ ہم اپنے عشق کو طمن سے مشروط کریں، ہمارے دلوں نے روحوں کا سفر کیا ہے، دنیاوی ساتھ کی تمنا دل سے نکال دے، اور زیادہ مت سوچ کہ اُلجھن بڑھے گی، اور اُلجھن گمراہی کی طرف لے جاتی ہے، ہم نے صرف سچی پاکیزہ محبت کی ہے، اپنے اس عمل کو اگر رب کی رضا جانا ہے، تو ہر واہمے سے نکلنا ہوگا، تاکہ ہماری پاکیزہ محبت پر حرف نہ آئے کہ محبت کی ہے، تو اُس کے آداب تو نبھانا پڑیں گے"۔ وہ جٹی گنوار لڑکی، اُس کا اللہ سے بہت مضبوط گہرا رشتہ تھا، اس کو جٹی گنوار کہنے والے یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ قرآن کی حافظہ تھی اور جس نے اللہ کا کلام زبانی یاد کر لیا ہو وہ جاہل کیسے ہو سکتی ہے؟ بس اس کے پاس دنیاوی علم نہیں تھا، اس کا ذہن و دل اسلام اور دینی تعلیم سے روشن و منور تھے۔

"تُو مجھ سے کچھ مانگنا چاہتی تھی ناں، تو مانگ لے، مجھے اللہ پر یقین ہے کہ اس نے مجھے اتنا کم مایہ تو نہ بنایا ہوگا کہ تجھے کچھ دے نہ سکوں، اللہ نے چاہا تو جو مانگے گی تجھے دوں گا"۔ اس کے قائل کرنے پر وہ قائل ہو گیا تھا کہ اللہ سے رشتہ اُس سے ملنے کے بعد اس نے بڑی مضبوطی سے جوڑ لیا تھا، سترہ برس تک اللہ سے اس کا واجبی سا تعلق محض اس لیے رہا تھا کہ وہ مسلمان کلمہ گو گھرانے میں پیدا ہوا تھا، اٹھارہ برس کی عمر میں نماز پڑھنا شروع کی اور آج تک پڑھ رہا تھا۔

"تُو نے مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہے کہ تُو اپنی آنے والی نسلوں کو گمراہی کی نہیں حق و دین کی تعلیم دے گا، مساوات اور برابری کی تعلیم دے گا، اس گاؤں کے کسانوں، غریبوں کی حالت سدھار کی طرف لے جائے گا، تیرا بیٹا اگر کسی مزارع کی بیٹی کو چاہے گا تو تُو اس کی خواہش کا احترام کرے گا، اپنی بیٹی کی کسی مزارع سے شادی کروانے سے تیرا شملہ نیچا نہ ہوگا، تُو انسانیت کا ہر ممکن پرچار کرے گا، تُو بس وعدہ کر لے بختاور! وعدے کے ایفاء کی تُو مت سوچنا وہ اللہ ہے ناں، تیری نیت وعدہ کرتے ہوئے صاف ہوگی تو وہ تیری غیب سے مدد کرے گا"۔ وہ اُس کو دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں تیری خواہش کا احترام کروں گا، اور صرف اس لیے نہیں کہ تُو ایسا چاہتی ہے، بلکہ اللہ کی رضا جان کر میں انسانیت کا پرچار کرنے کا وعدہ کرتا ہوں"۔ وہ بھی مسکرا دی اور وہ اس کو جب تک جاتے دیکھتی رہی جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

"اے اللہ! تُو مجھے اور ملک بختاور کو سرخرو کر دینا"۔ اُس نے آسمان پر نگاہ کی تھی اور پھر زمین دیکھنے لگی، اس کی نگاہ وہاں ٹھہری تھی جہاں وہ کھڑا تھا، اور جب اس کا دل ملنے کو کرتا وہ اُس جگہ کو دیکھنے لگتی اور لگتا کہ روح سیراب ہو گئی کہ اس نے روح کی سیرابی کے لیے دیکھی آزمائش و مشکلات چن لی تھیں مگر وہ مطمئن رہتی کہ اس نے تمام مشکلات کو رب کی رضا جانا، اور اس کی ہمت و ارادے اللہ کی رضا کے ہی محتاج تھے، اُس نے بختاور ملک کو لوٹا دیا، مگر اُسے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی بختاور ملک اس کا سائبان ضرور بنے گا اور اُس کی ہیرا تو آزمائش ختم ہو جائے گی کہ آزمائش تو ہوتی ہی ختم کے لیے ہے اور اُسے اس کے ختم کا ہی انتظار خوش اسلوبی سے کرنا تھا کہ یہ راستہ اس کا خود کا منتخب کردہ تھا اور اس پر وہ ہمت اور اللہ کی رضا سے ڈٹی کھڑی تھی۔

وفا کے جزیرے پر
کھڑی ہوں تنہا، اکیلی میں
کسی سائباں کی تلاش میں
اُس کا یہ سائباں اس دنیا میں بھی مل سکتا ہے اور...!

☆......☆......☆